ماہنامہ الفرقان لکھنؤ
اشاعتِ خاص
۱۹۹۸ء تا اگست ۱۹۹۸ء
مرتبہ:
عتیق الرحمٰن سنبھلی

کمپیوٹر کمپوزنگ ـــــــ پرنٹ لائن کمپیوٹرس۔ لکھنؤ فون 85305

کور ڈیزائننگ ـــــــ ایڈورٹائزر انڈیا ـــــ لکھنؤ فون 16284

طباعت ـــــــ کاکوری آفسیٹ پریس۔ لکھنؤ فون: 70143

اس خاص نمبر کی قیمت اور سالانہ زر تعاون

برائے ممالک	قیمت عام ایڈیشن	قیمت اعلیٰ ایڈیشن	اس نمبر سے سالانہ چندہ
ہندوستان	-/115	-/135 مع محصول ڈاک	-/150
پاکستان	-/150	-/200 مع محصول ڈاک	-/200
بیرونی ممالک	6 پاؤنڈ یا 9 ڈالر	6½ پاؤنڈ یا 10 ڈالر	15 پونڈ یا 23 ڈالر

ایڈیٹر ـــــــ خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

باہتمام ـــــــ محمد حسان نعمانی

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ / ۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

٦٦

اشاعت کا چھیاسٹھواں سال

١٣٥٣ھ

١٩٣٤ء

آغاز اشاعت

اول و آخر فنا ظاہر و باطن فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
(اقبالؔ)

قیمت اعلیٰ ایڈیشن ١٥٠/-

قیمت عام ایڈیشن ١١٥/-

فہرستِ مضامین

گلہائے تازہ

(خاص نمبر کے لئے لکھے گئے مضامین) ۵

فکر نعمانی کی جھلکیاں

آئینہ الفرقان میں

فکر نعمانی کی جھلکیاں

آئینۂ الفرقان میں

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو
اقبال

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں ہوتے!

[قرآن پاک امت کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ بالعموم اس کے پیغام سے بے پرواہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ موجود ہوں اور اہل ایمان ان کی طرف سے غافل۔ یہ اس مضمون کا حاصل ہے اور دعوت ہے۔ رجوع الی القرآن ۱ صفر دربیعین ۱۳۶۲ھ میں چھپا۔ مرتب]

فرض کیجئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں ہوتے

اور کسی قابل اعتماد اور باوثوق ذریعہ سے ہم کو معلوم ہو

آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نہایت اہم پیغام سنا۔

وضلالت اور نجات وہلاکت کے راستوں کو صاف صاف بیان کرے ہیں۔

بندوں پر اللہ کی حجت تمام کردی جائیگی، اور مقدس رسول کی زبانی اللہ پاک کا یہ آخری پیغام ہو گا جس کے بعد ہم کوئی الٰہی پیغام اور رسول خدا کا کوئی جدید بیان نہیں سن سکیں گے ——— اور اس مقررہ ومشتہرہ مقام پر پہنچنا بھی ہمارے لئے بہ آسانی ممکن ہوتا، اور اس تاریخ کے آنے کے بعد میں ابھی اتنے دن بھی باقی ہوتے کہ اس سرکاری پیغام کی اصلی زبان اگر ہم نہ جانتے ہوتے تو اس کا سیکھ لینا بھی اس عرصہ میں ہمارے لئے ممکن ہوتا جس کے بعد ہم اس پیغام کو اس کی اصلی اسپرٹ میں پوری طرح سمجھ سکتے اور پھر اس کے سیکھنے کے وسائل بھی ہم کو میسر ہوتے ——— لیکن اس کے باوجود ہم اس زبان کے سیکھنے کی کوئی کوشش نہ کرتے، اور جب وہ مبارک دن آجاتا تو اللہ کے اس نہایت اہم پیغام اور رسول کے اس آخری بیان کو سننے یا بعد کو بالواسطہ ہی اس سے واقفیت حاصل کرنے کا خیال بھی ہمارے دل میں نہ آتا اور اسکی طرف ہم کوئی توجہ ہی نہ کرتے، تو کیا دنیا کی کوئی عقل بھی ہمارے اس طرز عمل کو دیکھ کر یہ رائے قائم کر سکتی تھی کہ ہمارے دلوں میں اللہ ورسول کی کوئی عظمت ووقعت اور ہماری نظروں میں ان کے پیغاموں کی کچھ بھی قدر وقیمت ہے؟

کوئی دوسرا کچھ کیوں کہے! آپ ہی خوب سوچ سمجھ کر اپنے دلوں سے اس کا جواب لیجئے! ـــــــ
اچھا اگر آج کسی شخص کے متعلق آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اللہ ورسول اور انکے مقدس پیغاموں کی طرف سے اتنی ہی بے اعتنائی اور ایسی ہی لاپرواہی اختیار کر رکھی ہے تو کیا اس کے بعد بھی دولت ایمان وایقان سے اس کی محرومی میں آپ کو کچھ شک شبہ ہوگا۔؟

سوال کی جو صورت سطور بالا میں آپ کے سامنے رکھی گئی ہے کیا یہ محض فرضی ہے۔؟
بیشک رسول اللہ ﷺ اپنے جسد عنصری کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز نہیں ہیں لیکن اللہ پاک کا جو آخری فیصلہ کن پیغام اس کے آخری رسول، حضرت محمد عربی (فداہ امی وابی) لیکر آئے تھے وہ بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ زمانہ گزر جانے پر بھی اپنی اسی شان جلالی و جمالی اور اسی شادابی و تازگی کے ساتھ موجود ہے، ہمارے گھروں میں اس کی کئی کئی کاپیاں اور کئی کئی نسخے رکھے ہوئے ہیں ـــــ اب ہم جس وقت چاہیں خداوند قدوس کے اتارے ہوئے اور مقدس رسول کے لائے ہوئے اس ”پیغام ہدایت“ کو بالکل اسی کے اصلی لفظوں میں دیکھ سکتے ہیں پڑھ سکتے ہیں اور اگر ان کو تھوڑی سی بھی عربی آتی ہو تو خود اس کا مطلب و منشاء سمجھ سکتے ہیں، اور کسی درمیانی واسطہ کے بغیر اس سے براہ راست ہدایت حاصل کر سکتے ہیں، اللہ کی رضامندی اور فلاح دینوی واخروی کے طریقے اس سے دریافت کر سکتے ہیں،
گویا یوں سمجھئے کہ نہایت پیاری اور بیحد شیریں عربی زبان بولنے والا اور عربی مبین ہی میں خدا کا ”پیغام ہدایت“ سنانے والا ایک زندہ جاوید پیغمبر (بشکل قرآن ہمارے گھروں میں آج بھی موجود ہے۔
لیکن ہمارا برتاؤ اس کے ساتھ کیا ہے؟ ـــــ کتنے ہم میں ہیں جو اس سے ہدایتی تعلق رکھتے ہیں ـــ؟ کتنے ہیں جو اس سے اچھی طرح فیض حاصل کرنے کے لئے اور س کو براہ راست سمجھنے کے لئے عربی زبان سیکھ چکے ہیں یا سیکھ رہے ہیں؟ اور کتنے ہیں جو عربی زبان نہ جاننے اور اس کے لئے کوئی ذریعہ بھی نہ پاسکنے کی مجبوری سے کسی اردو ترجمہ یا تفسیر کی روشنی میں یا درس قرآن کے کسی حلقہ میں شریک ہو کر ہی اس کی بات سمجھنے کی اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اس کے لئے اپنے وقت کا کچھ حصہ صرف کرتے ہیں؟
ذرا ہندوستان ہی کے ”نو کروڑ مسلمانوں“ پر اس جہت سے ایک نظر تو ڈال لئے اور سوچئے کہ کتنی گہرائی ہے ان کے ایمانی دعووں میں اور کتنا تعلق ہے ان کو اللہ و رسول اور ان کے پیغاموں سے؟

اللہ کے بندو! رسول کی محبت کا دم بھرنے والو! اور قرآن کی عظمت و تقدیس کی قسمیں کھانے والو! اللہ و رسول کے اس مقدس پیغام (قرآن) کے ساتھ یہ بے اعتنائی اور یہ لاپروائی!
کیا خدا کے سامنے اپنے اس تغافل مجرمانہ کی تم جواب دہی کر سکو گے؟ اور کیا عذر ہو گا تمہارا اس وقت جب رب العزت کے تختِ جلال کے سامنے اس کا رسول فریادی بن کر درد و حسرت کے ساتھ کہتا ہو گا۔

یا رب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا (اے میرے خداوند! میری اس قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ رکھا تھا)۔

قرآن پاک کے ساتھ مسلمانوں کے معاملہ پر اگر آپ طبقہ وار نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ "مسلمان" کہلانے والی امت میں ایک بہت بڑی بلکہ خارج از حد و شمار تعداد تو ان قطعاً تعلیم یافتہ سب سے نیچے کے طبقہ کے عوام کی ہے جن ... بھی نہیں لگی۔

پھر ان سے کچھ کم تعداد میں دوسرے درجہ کے وہ عوا... کسی پرانے طرز کے مکتب میں بیٹھ کر یا کسی "حافظ جی" سے قرآن ... بعد کبھی اس کو کھول کر دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی، بجز اس کے کہ محلہ، برا... کوئی مر جاتا ہو اور پڑوس یا قرابت کے خیال سے اس کے "تیجے" میں ایک آدھ پارہ پڑھنا پڑ جاتا ہو۔ پھر وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ اس مرجانے والے کو "بخشنے" کے لئے بلکہ فی الحقیقت تو اکثر و بیشتر صرف محلہ یا برادری کا "حق" اتارنے ہی کے لئے ——— تو اس طبقے کا تعلق "قرآن مجید" سے بس کسی کی موت اور تیجے ہی کا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔
اس قسم کے لوگوں سے کچھ کم تعداد میں کچھ ایسے نیک لوگ بھی ہیں "جو حصول ثواب و برکت" کی خاطر کبھی کبھی یا روز مرہ قرآن مجید کے پارہ دو پارہ کی تلاوت تو کرتے ہیں اور بڑی خوش اعتقادی سے کرتے ہیں مگر بیچارے اسکے مطلب و مقصد سے قطعاً ناآشنا ہیں، کیونکہ عربی جو اسکی زبان ہے اس سے واقف نہیں اور جس زبان میں پڑھنا لکھنا وہ جانتے ہیں مثلاً اردو تو اگرچہ اس میں اب بہت سے ترجمے اور تفسیریں لکھی جا چکی ہیں اور ایک اردو داں انکی مدد سے بھی قرآن مجید کے مطلب و مقصد سے اچھی خاصی حد تک آشنا ہو سکتا ہے لیکن ان بیچاروں کے ذہن میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور اپنی عملی زندگی کے لئے اس سے

ہدایت لینا بھی کوئی بہت ضروری بات ہے، اس لئے مدت العمر وہ بس تلاوت ہی کا ثواب حاصل کرنے پر قانع رہتے ہیں، گویا کہ قرآن مجید بس ان کی تلاوت ہی کے لئے نازل ہوا ہے اور اس سے زیادہ اس کا کوئی مطالبہ ان سے نہیں ہے اسی واسطے قرآن پاک کے مطالب و مقاصد سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی داعیہ کبھی ان کے دل میں پیدا نہیں ہوتا،

رہا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو باستثنائے شواذ اس کی غالب ترین اکثریت نے دین کے تمام ہی علمی و عملی شعبوں سے جیسی کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے، اور حیاۃ دنیا ہی کی کامرانیوں کو مطمح نظر بنا کر جو ارشاد ربانی -

اِنَّ الذِیْنَ لاَ یَرْجُوْنَ لِقَاءَ نا وَرَضوْ ا بِا الحیٰو ۃ الدنیا وَاَطمئنو بِھا وَالَّذِ ینَ ھُمْ عَنْ آیٰتِناَ عافِلُوْنَ اُولٰئك ماْ واھُم النّار بِماَ کا نُوْ یَکْسِبُون۔

لا ریب، جو لوگ (موت کے بعد عالم آخرت میں) ہماری لقا (یعنی دربار خداوندی میں حاضری اور پیشی) کے امیدوار نہیں ہیں اور حیات دنیا ہی سے خوش اور اس میں مگن ہیں اور جو ہماری آیتوں سے غفلت و بے پروائی برتتے ہیں ان سب کا ٹھکانا جہنم ہو گا اپنی بد کرداریوں کے بدلے۔

کا ہو بہو مصداق ہو گیا۔ اسکو قرآن پاک بلکہ خود قرآن نازل کرنے والے اور اس کے لانے والے (اللہ و رسول) کے ساتھ جیسی کچھ دلچسپی ہے وہ ہر واقف حال کو معلوم ہے۔

ان تمام طبقات کی بہ نسبت محدود اور قلیل التعداد ایک گروہ "باضابطہ علمائے کرام" کا بھی جو اپنی اس قلت کے باوجود بھی ہزاروں سے متجاوز اور لاکھوں کے شمار میں ہو گا، ان حضرات نے برسہا برس دینی مدرسوں میں گزار کے عربی زبان سیکھی ہے، اسکی صرف و نحو تک پر آٹھ آٹھ دس دس کتابیں پڑھی ہیں، معانی اور بیان و بدیع میں بھی کم از کم "تلخیص المفتاح" اور "مختصر المعانی" تو ضرور ہی ان کے زیر درس رہی ہو گی، فقہ اور حدیث کی بہت سی کتابوں پر بھی اُنھوں نے عبور حاصل کیا ہے، قرآن کی تفسیر کے نام سے بھی کم از کم ایک کتاب "جلالین" تو سبقاً سبقاً پڑھی ہی ہو گی، اور اگر خوش نصیبی سے تعلیم کسی بڑے "دارالعلوم" میں ہوئی ہے تو شاید "بیضاوی" و "مدارک" کا کچھ حصہ بھی زیر درس رہا ہو، اس لئے قرآن پاک میں تدبر و تفکر اور اس کی ہدایات سے براہ راست استفادہ کم از کم اُن کا تو شغل حیات ہی ہونا چاہئے، اور اُن کے متعلق تو یہ اُمید بجا اور درست ہی ہونی چاہئے کہ اللہ کی اس کتاب عظیم سے ان کا تعلق بڑا گہرا

ہوگا اور یہ خوش نصیب حضرات تو "قرآن حکیم" کی تلاوت بالکل اس طرح اور اس تصور کے ساتھ کرتے ہوں گے کہ اُن کے سامنے گویا ایک پیغمبر ہے جو خدا کی غیر مشکوک وحی ان کو سنارہا ہے اور وہ اپنے سینے کے کواڑ کھول کے اس کے سامنے اس کا درس ہدایت سننے اور اُس پر عمل پیرا ہونے ہی کیلئے بیٹھے ہیں۔

مگر آہ کہ یہاں بھی یہ امید بڑی حد تک پامال ہی ہے۔ مستثنیات کو چھوٹ کر (جن کا شمار غالباً پانچ فیصد ع بھی نہ ہوگا) اس طبقۂ علماء کا عام حال بھی اس باب میں دوسروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ یہاں بھی قرآن مجید کی عموماً "تلاوت" ہی کی جاتی ہے اور "کتاب ہدی" و "موعظۃ وذکری" ہونے کی اس کی جو اصل حیثیت تھی وہ یہاں بھی عموماً کم از کم عملاً تو فراموش ہی کردی گئی ہے۔ حالانکہ خود اس کا نازل کرنے والا اسی میں یہ اعلان کررہا ہے کہ "یہ کتاب اسی واسطے بھیجی جارہی ہے کہ تم غور و تامل سے اس کی باتیں سنو، اس کے احکام سمجھ ہدایت و نصیحت حاصل کرو"۔

کتاب انزلناہ الیک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب۔ (یہ قرآن) ایک کتاب۔ نازل کیا ہے کہ لوگ اس عقل و دانش اُس سے نصیحت

اور جو لوگ آیات قرآن کو سمجھ بوجھ کر اُس سے ہدایت و نصیحت حاصل نہیں کرتے ہیں اُن کے متعلق ارشاد ہے -

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں!

وا اسفاہ! اللہ پاک تو ہدایت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن پاک کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ذرا گوش دل سے سنو! کیسی پیاری اس کی یہ صدا ہے۔

لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر ہم نے نصیحت کے واسطے قرآن کو آسان کیا، ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت لینے والا؟

لیکن ہم نے شاید یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ جہاں تک دینی ہدایت و نصیحت حاصل کرنے کا تعلق ہے اُس کے لئے تو دوسرے وسائل (مثلاً بزرگان کرام اور پیران عظام) ہی کافی ہیں، اور قرآن تو بس "ثواب تلاوت" حاصل کرنے کیلئے گویا "وظیفہ" کی ایک کتاب ہے۔

حتی کہ نماز میں قرآن پاک جو پڑھا جاتا ہے تو عام خیال اُس کے متعلق بھی یہی ہوگیا

ہے کہ بس صحت حروف کے ساتھ "قرأت" ہو جانی چاہئے، اسی لئے پوری توجہ الفاظ کے سنوار اور اُتار چڑھاؤ، نیز آواز میں جاذبیت و دلکشی پیدا کرنے پر تو صرف کی جاتی ہے، مگر اُن الفاظ کے ذریعہ جو کچھ ہدایت قرآن مجید دینا چاہتا ہے اور یہ الفاظ جس کے لئے بس ایک حسین اور مقدس پیرہن اور بہترین واسطۂ تبلیغ کی حیثیت رکھتے ہیں اُس کی طرف دھیان دینے کی مطلق ضرورت نہیں سمجھی جاتی، گویا جسم و پیرہن کی آرائش و تزئین کی تو پوری کوشش کی جاتی ہے مگر جان اور روح سے مکمل بے پروائی برتی جاتی ہے (۱)، اور یہ بدیہی حقیقت گویا بالکل ہی فراموش کر دی گئی ہے کہ "کتاب الٰہی" کی قرأت کا اصلی اور اولیں مقصد تو تذکیر و تذکر ہی ہو سکتا ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ کا مشہور اثر ہے۔

لا خیر فی قرأة لیس فیھا تدبر و لا	جس قرأت و تلاوت کے ساتھ تدبر و تذکر نہ ہو اور
خیر فی عبادة لیس فیما تفقه	جس عبادت میں تفقہ نہ ہو اُس میں کچھ خیر نہیں۔

(رواہ رزین، جمع الفوائد ج ۲، ص ۲۷۹)

خیر بات کچھ طویل ہو گئی ورنہ عرض تو صرف یہ کرنا تھا کہ قرآن پاک کے ساتھ اس وقت ہمارا برتاؤ کیا ہے؟ اور ہونا کیا چاہئے؟

پھر یہ سب کچھ سامنے آ جانے کے بعد اس سلسلہ کا تیسرا اور آخری سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جب حالات یہ ہو چکے ہیں تو اب چارۂ کار کیا ہے

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

چارۂ کار

پس اگر آپ نے معاملہ کی اہمیت کو اچھی طرح محسوس کر لیا ہے، اور اس سلسلہ میں آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے اس سے آپ عہدہ بر آ ہونا چاہتے ہیں تو پہلا کام آپ کا یہ ہے کہ اولاً اس نقطۂ نظر سے اپنے ہی طرز عمل پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ اگر خدانخواستہ آپ نے بھی اب تک قرآن پاک کے سمجھنے اور اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کرنے کی کوشش میں کوتاہی کی ہے تو آئندہ کیلئے آج ہی سے رویہ کو بدل دیجئے! اس طرح، کہ اگر آپ خدا کے فضل و کرم سے

---

(۱) "مشکوٰۃ شریف" کی شرح "التعلیق الصبیح" میں بحوالہ شیخ ابی طالب مکی رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بایں الفاظ نقل کی ہے "لیس للعبد من صلوته الا ما عقل منها" (ج ۱، ص ۳۶۵) یعنی بندہ کو اسی نماز بلکہ اتنی ہی نماز کا اجر و ثواب ملے گا جو اس نے

الد
ماص

قرآن پاک سمجھنے کے بقدر عربی جانتے ہیں تو اب ہدایت و نصیحت حاصل کرنے کے ارادہ سے اس کو سمجھ سمجھ کر پڑھنے کی عادت ڈالئے! اور اگر آپ اتنی عربی نہیں جانتے ہیں تو پھر کسی عربی داں کی مدد سے اتنی عربی سیکھ لیجئے اور یقین کیجئے کہ اگر اس راہ میں آپ کو کوئی اچھا رہنما مل گیا تو بس دو تین مہینے کی معمولی محنت سے آپ قرآن فہمی کی ضرورت کے بقدر عربی سیکھ سکیں گے، اور جو کمی رہ بھی جائے گی وہ انشاء اللہ قرآن پاک کے اشتغال سے یوں ہی پوری ہوتی رہے گی، بلکہ اس عاجز کا تجربہ تو صرف ایک مہینہ کا بھی ہے۔

کاش میرے سر دوسرے کاموں کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو جی چاہتا تھا کہ میں شہر بہ شہر گشت کر کے اسی کی تبلیغ کرتا پھرتا اور جو لوگ عربی زبان کو مشکل سمجھ کر اس کی تحصیل سے ہچکچاتے ہیں اور اس لئے قرآن و حدیث کی برکات سے محرومی ہی پر قانع ہو جاتے ہیں ان کو صرف ایک مہینہ میں بعون اللہ تعالیٰ اتنی عربی سکھا کر دکھاتا جس کے
ایک عربی داں طالب علم کی طرح پڑھ سکتے اور اپنی ذاتی بصیر
موعظت حاصل کر سکتے۔ ہاں اگر توفیق الٰہی نے مساعدت کی
جن سے اپنے اس تجربہ کے افادہ کو کچھ عام اور وسیع کر
المستعان۔

بہرحال، تو اگر آپ اللہ پاک کے اتارے ہوئے اور اس کے رسول کے لائے ہوئے اس مقدس و مبارک "ہدایت نامہ" سے براہ راست واقفیت و آشنائی پیدا کرنے کیلئے، گویا (مجازی زبان میں) خدا اور اس کے رسول کی باتیں دوبدو سننے اور بلا واسطہ ان سے مستفیض اور لذت اندوز ہونے کیلئے صرف دو تین مہینے تک بھی بس گھنٹہ دو گھنٹہ یومیہ خرچ کر سکتے ہوں تو آپ کو چاہئے کہ اس میں کوتاہی نہ کریں، اور آپ کے محلہ میں، یا آپ کی بستی سے قریب جہاں بھی کوئی مولوی صاحب ایسے موجود ہوں جو اس سلسلہ میں آپ کو کچھ مدد دے سکیں تو ضرور آپ ان کی مدد سے عربی زبان سیکھنے کی کوشش میں ابھی سے لگ جائیں (۱)، اور جب مہینے دو مہینے میں عربی سے آپ کو کچھ بھی شدبد ہو جائے تو پھر آپ کسی عالم دین ہی سے قرآن پاک کا درس لینا شروع کر دیں۔

اور اگر کسی وجہ سے آپ کیلئے اس طرح عربی زبان سیکھ کر درس قرآن لینے کا امکان نہ

---

(۱) اگر وہ صاحب بھی "تھوڑے وقت میں اور مختصر راستہ سے عربی زبان سکھا دینے" کی کوئی خاص بصیرت نہ رکھتے ہوں تو وہ اس عاجز سے خط کتابت کر کے اس بارہ میں مشورہ لے سکتے ہیں۔

ہو تو پھر کم از کم اس کی کوشش کیجئے کہ آپ کی بستی کی مسجد میں ترجمۂ قرآن کا درس ہوا کرے اور آپ اس میں شریک ہو کر حسب مقدور مطالب قرآنی کے سمجھنے کی کوشش کریں نیز دوسروں کو بھی اس کی اہمیت جتلا کر شرکتِ درس اور اُس سے استفادہ کی ترغیب دیں۔

اور اگر بالفرض آپ کسی ایسی جگہ رہتے ہیں کہ وہاں کوئی شخص ترجمۂ قرآن پڑھانے والا ہے ہی نہیں اور اس لئے درس قرآن کے اجراء کا انتظام آپ کے بس میں نہیں ہے تو پھر کم سے کم اس کا التزام کیجئے کہ ہر روز قرآن مجید کا جتنا حصہ آپ پڑھ سکتے ہوں ترجمہ ہی کے ساتھ پڑھیں، اور تا مقدور ترجمہ کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں، پھر جتنی بات سمجھ میں آتی جائے اُس سے اپنے لئے ہدایت و نصیحت لیتے رہیں۔(۱)

امید ہے کہ اگر اس طور پر ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی آپ نے مستقل عادت ڈال لی اور تسلسل کے ساتھ اللہ پاک کی اس کتاب سے لپٹے رہے اور اس کے سمجھنے کی کوشش میں اس طرح ہی آپ لگے رہے تو قرآن مجید کا کافی حصہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ سمجھ سکیں گے۔

البتہ یہ بات بہر حال اور سب کیلئے ملحوظ رکھنے کی ہے کہ قرآن مجید "هدى للمتقين" ہے لہذا اُس سے ہدایت و نصیحت کا نور اُنہی خوش بختوں کو حاصل ہو سکتا ہے جن میں "تقوی" ہو یعنی اللہ کا خوف اور عاقبت کی فکر ہو اور اسی کی بے چینی ان کو طلب ہدایت کیلئے قرآن پاک کے پاس لانے والی ہو، نہ کوئی اور شوق، اور نہ کوئی دوسری غرض ——— ورنہ ہم اور آپ سب ہی جانتے ہیں کہ ابو جہل اور ابو لہب تو آج کل کے ہر بڑے سے بڑے عالم دین سے بہتر قرآن کی زبان جانتے تھے لیکن چونکہ دل ایمان اور تقوی سے خالی تھے اس لئے اس بحر ہدایت سے ان کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکا، وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یومنون۔

☆☆☆

(۱) قرآن پاک کے اردو تراجم میں قدیم اور مستند ترین ترجمے حضرت شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کے ہیں لیکن موجودہ زمانہ میں کچھ تو زبان کی نامانوسیت کی وجہ سے اور کچھ اُن حضرات کے التزامی اختصار کی وجہ سے غیر عربی داں عوام کو قرآن فہمی میں وہ کچھ زیادہ مدد نہیں دے سکتے۔ اس مقصد کے لئے موجودہ تراجم میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ کا ترجمہ راقم کے نزدیک زیادہ کارآمد ہے، نیز اردو تفاسیر میں آپ کی تفسیر "بیان القرآن" بھی اردو داں طبقہ کے لئے نفیس ترین اور ساتھ ہی سہل الفہم تفسیر ہے۔

لد
ص

نیز "مدینہ پریس بجنور" کا شائع کردہ وہ قرآن مجید بھی اس سلسلہ کی ایک بہتر چیز ہے جس میں ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ [illegible] مشہور ہے۔ مرتب)

درس قرآن پاک

سورہ توبہ کی اہمیت، اُس کے ناقابلِ فراموش اسباق اور اس کا خاص پیغام

تبلیغی مرکز لکھنؤ کی مسجد میں ہر اتوار کو بعد نماز مغرب آپ کا درس
کرتا تھا۔ یہ اسی سلسلے کا ایک درس ہے۔ ۱۳ر جون ۱۹۷۱ء کو

حمد و صلواۃ، اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

لقد جاءکُم رسولٌ مِّن انفسِکُم عزیزٌ علیہِ ما عنتم حریصٌ علیکُم
بالمُو منینَ رؤفٌ رحیم ° فاِن تولوا فقل حسبِی اللہُ لا الہ الا ھو
علیہ تو کلتُ وَھُو ربُّ العرشِ العَظیم °

(خاتمۃ سورۃ البراءۃ)

یہ سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں ہیں جو آج میں نے پھر تلاوت کی ہیں، پچھلے ہفتہ اس سورت کے آخری دور کوع کا درس ہوا تھا اور ان دونوں آخری آیتوں کا بھی ترجمہ کر دیا گیا تھا اور مختصر تشریح بھی کر دی گئی تھی —— اس کے بعد آج سورۂ یونس کا درس شروع ہونا چاہئے تھا، لیکن سورۂ توبہ کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے مضامین کی خاص نوعیت کی وجہ سے میں نے ارادہ کیا کہ آج بھی اسی سورت کے اہم مضامین کا اعادہ کیا جائے اور اس میں امت کو جو خاص سبق دئے گئے ہیں ان کو دہرایا جائے اور سمجھنے اور یاد کرنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ وہ سورۂ توبہ کا علم حاصل کرنے کی خاص طور سے تاکید فرماتے تھے —— دراصل اس سورت کے ذریعہ اس ہدایت کی تکمیل ہوئی

ہے جو آغاز نبوت سے نازل ہونا شروع ہوئی تھی اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کیسا ایمان اللہ کے ہاں قابل قبول ہے اور اللہ ورسول کے ساتھ اور دین کے ساتھ مومن کا تعلق کیسا ہونا چاہئے۔

یہ سورت حضور ﷺ کے آخری دور حیات میں نازل ہوئی ہے ـــــ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ نبوت کو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے تین دوروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) آغاز نبوت سے مدینۂ طیبہ ہجرت فرمانے تک کے قریباً ۱۳ سال یہ پورا مکی دور ہے۔

(۲) ہجرت سے فتح مکہ تک کے قریباً ۸ سال، یہ گویا درمیانی دور ہے۔

(۳) فتح مکہ سے وفات تک کے قریباً ڈھائی سال، یہی آپ کا آخری دور حیات ہے، اسی میں ہر حیثیت سے دین کی تکمیل ہوئی ہے۔

یہ سورۂ براءۃ جیسا کہ آپ حضرات کو بھی اس کے مضامین سے اندازہ ہو چکا ہوگا اسی آخری دور میں نازل ہوئی ہے ـــــ ۹ھ کے وسط میں 'مشہور روایات کے مطابق رجب کے مہینہ میں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک والا سفر فرمایا، یہ آپ کا اور آپ کے اصحاب کرام کا سب سے طویل اور نہایت پر مشقت جہادی سفر تھا اور اس لحاظ سے بھی نہایت پر خطر تھا کہ اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ طاقتور سلطنت یعنی رومی حکومت کی باقاعدہ اور نہایت اعلیٰ تربیت یافتہ فوج سے جنگ کا امکان تھا جو لاکھوں کی تعداد میں تھی اور اس دور کے لحاظ سے بہترین اسلحہ اور ہر قسم کے سامان جنگ سے لیس تھی، اور آپ کے ساتھ صرف تیس ہزار کی جمعیت تھی جو رومی فوج کے مقابلہ میں بالکل ہی بے سروسامان تھی، حد یہ ہے کہ ان مجاہدین کے لئے غذا کی اتنی کمی تھی کہ بعض دنوں میں اللہ کے بندوں نے ایک ایک کھجور کھا کر گذارا کیا۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ موسم سخت گرم تھا اور بعض منزلوں پر پینے کیلئے پانی بھی نصیب نہیں ہوتا تھا، اسی لئے اس غزوہ کا ایک نام "عروۃُ العُسرہ" بھی ہے۔ یعنی تنگی اور فقر و فاقہ والا غزوہ۔

سورۂ توبہ کا کچھ حصہ تبوک سے کچھ پہلے اسی کے سلسلہ میں نازل ہوا تھا، اور کچھ حصہ تبوک کے سفر کے دوران میں نازل ہوا، اور زیادہ تر اس سفر سے واپسی کے بعد نازل ہوا ہے۔

بہر حال اس کے مضامین کا بہت کچھ تعلق غزوۂ تبوک اور اس کے سلسلہ کے واقعات سے ہے۔ میں اس غزوہ کے واقعات پوری تفصیل سے پچھلے ہفتوں کے درس میں موقع بہ موقع بیان کرتا رہا ہوں۔

ـــــ مختصر طور سے اس وقت پھر ذکر کرتا ہوں۔

واقعات کا سلسلہ یوں ہے کہ عرب کی مغربی سرحد پر جو شام کے علاقہ سے ملتی ہے عرب عیسائیوں کی کئی ریاستیں تھیں جو رومی شہنشاہی کی باج گزار تھیں اور گویا اس کی سرپرستی میں تھیں۔ جب ۸ھ میں مکہ معظمہ اور طائف کے فتح ہو جانے کے بعد قریباً پورے عرب پر مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا تو سرحد کی ان عیسائی ریاستوں نے محسوس کیا کہ یہ ابھرتی ہوئی اور تیزی سے بڑھتی ہوئی نئی طاقت کسی وقت ہمارے لئے بھی خطرہ کا باعث بن سکتی ہے، وہ ایک ہی سال پہلے غزوہ موتہ میں مسلمانوں کی حوصلہ مندی اور جرأت و جانبازی کا تجربہ کر چکے تھے۔ انھوں نے اس بات کو رومی حکومت تک بھی پہونچایا جس کا اس وقت شام پر اقتدار تھا اور پھر رومی حکومت کی پوری امداد اور پشت پناہی کا اطمینان حاصل کر کے یہ منصوبہ بنایا کہ پوری طاقت سے مدینہ پر ایک بھرپور حملہ کر کے اس نئی ابھرتی طاقت کو اسی مرحلہ میں کچل دیا جائے' اور پوری تیز رفتاری کے ساتھ اس کی تیاریاں بھی شروع ہو گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے
حکمت عملی کے طور پر یہ طے کیا کہ ان کو حملہ کرنے کا موقع
کر کے ان پر ضرب لگائیں اور مسلمانوں کی ایمانی طاقت اور ان
کرادیں تاکہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں۔

——— اس کے لئے عالم اسباب میں یہ ضروری تھا کہ مجاہدین کی زیادہ سے زیادہ تعداد آپ کے ساتھ ہو اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ اور قرب و جوار کے تمام مسلمانوں کو اس جہادی مہم کے لئے تیاری کا اور اس میں حصہ لینے کا اعلان عام جاری فرمادیا، اس سے پہلے کسی مہم اور جنگ کے لئے کبھی بھی اس طرح کی نفیر عام نہیں دی گئی تھی ——— غزوہ تبوک ہی میں آپ نے یہ حکم جاری کیا کہ ہر مسلمان جو معذور و مجبور نہیں ہے اس میں شرکت کرے۔ اور اتفاق کی بات کہ موسم انتہائی گرم تھا، اور مدینہ کے باغوں میں کھجوروں کے تیار ہونے اور پکنے کا زمانہ تھا اور اسی پر اہل مدینہ کی معیشت کا دارومدار تھا، اس حالت میں اپنے باغوں کو چھوڑ کر جانا بڑا سخت امتحان تھا۔ اسکے علاوہ سفر دور دراز کا تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسی فوج کے مقابلہ کے لئے جانا تھا جو اس وقت کی دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور فوج تھی اور جس نے چند ہی برس پہلے دنیا کی دوسری سب سے بڑی طاقت فارس کی فوجوں کو شکست دے کر دنیا بھر پر اپنی برتری کا سکہ جمادیا تھا اور اپنی دھاک بٹھادی تھی۔ اسی بنا پر منافقین یہ سمجھتے تھے کہ اس سفر میں جانا موت کے منہ میں جانا ہے اور جو جائے گا وہ واپس نہیں آئیگا، وہیں کے چیل کوے اور جانور ان کی لاشوں کو کھائیں گے۔ اس

لئے ان منافقین نے طرح طرح کے حیلے بہانے کئے اور نہیں گئے ــــ ان منافقین کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کے ایمانوں میں کچھ ضعف تھا اور اس لئے کم ہمتی تھی وہ بھی چاہتے تھے کہ کسی طرح بچ جائیں تو اچھا ہے۔

انہی حالات میں یہ پر جلال آیتیں نازل ہوئیں۔

"یاایها الذین اٰمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوٰة الدنیا من الاٰخرة فما متاع الحیوٰة الدنیا فی الاٰخرة الا قلیل ٭ الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیماً و یستبدل قوماً غیرکم و لا تضروه شیئاً۔"

"یعنی اے مسلمانوں تمہارا یہ کیا حال ہے کہ جب تم کو دعوت دی جاتی ہے کہ خدا کے راستے میں قربانی اور جانبازی کے لئے قدم اٹھاؤ اور چلو تو تم بجائے اٹھ کھڑے ہونے کے زمین پر پڑ جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کی خوش عیشی کو اپنے لئے پسند کر لیا ہے، حالانکہ دنیا کا ساز و سامان آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں بالکل ہی ہیچ ہے اگر تم نے اس دعوت پر لبیک نہیں کہا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نہیں چلے تو اللہ کی طرف سے تم پر بڑی سخت مار پڑے گی اور پھر وہ اپنے دین کی خدمت کے لئے تمہاری جگہ کسی اور قوم کو کھڑا کر دے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے خود ہی محروم ہو جاؤ گے۔"

ان پر جلال آیتوں کا روئے سخن دراصل ان مسلمانوں کی طرف تھا جن میں کچھ ضعف اور تذبذب تھا۔ ان آیتوں نے اس تذبذب کو ختم کر دیا اور ہر مخلص مسلمان نے ساتھ چلنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ کی شان کہ کعب بن مالکؓ جیسے کئی ایسے مخلص مسلمانوں سے جو صفِ اول کے مخلصوں میں تھے لغزش ہو گئی اور وہ صرف سستی اور لیت و لعل کی وجہ سے پیچھے رہ گئے، ان کے واقعات تفصیل سے پہلے بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان واقعات میں امت کے لئے کتنے اہم سبق ہیں۔

الغرض ان کے علاوہ مدینہ طیبہ اور قرب و جوار کے قریباً سب ہی مسلمان حضور ﷺ کی نفیر عام پر لبیک کہہ کے آپ کے ساتھ تبوک کے لئے روانہ ہو گئے، ان کی تعداد تیس ہزار کے قریب تھی ــــ مدینہ طیبہ سے تبوک تک کا ۱۴۔۱۵ دن کا راستہ تھا اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ بڑا ہی پر مشقت اور بڑے سخت مجاہدہ کا سفر تھا۔ لیکن مسلمانوں کی اس پیش قدمی نے ان عرب ریاستوں کے حوصلے پست کر دئے جو مدینہ طیبہ پر حملہ کا منصوبہ بنا رہے تھے اس لئے انھوں نے خیریت اسی میں سمجھی کہ مدینہ کی اسلامی حکومت سے مصالحت کر لی جائے، یہ رسول اللہ ﷺ کی

اور مسلمانوں کی بڑی کامیابی تھی، چنانچہ قریباً بیس دن تبوک میں قیام کر کے اور اس سر زمین پر اللہ کا نام بلند کر کے، اذانیں دے کے اور نمازیں پڑھ کے آپ واپس تشریف لے آئے، اور آپ کے اس سفر نے اس علاقہ میں اسلام کے نفوذ کی اور آگے کی بڑی کامیابیوں کی راہ ہموار کر دی، اور دور دور تک مسلمانوں کی دھاک بٹھادی ——— اسکے علاوہ بہت سے داخلی فائدے ہوئے وہ مار آستین منافقین جن کا نفاق اب تک دبا ہوا اور چھپا ہوا تھا، اس غزوہ تبوک نے ان کا پردہ فاش کر دیا، اور سورۂ توبہ کی آیات نے انکو بالکل عریاں کر دیا پھر ان میں سے بہت سوں کا نفاق ختم ہو کر انکے اندر ایمان آگیا اور اس غزوہ کے سخت مجاہدہ نے مومنین صادقین کو اور نکھار دیا اور انکے ایمانوں میں بڑی ترقی ہوئی ——— اور کعب بن مالک وغیرہ چند مخلصین جو محض سستی اور لیت و لعل کی وجہ سے اس غزوہ میں جانے سے رہ گئے تھے ان پر سخت عتاب ہوا اور انکو مقاطعہ کی ایسی سخت سزا دی گئی کہ قرآن پاک میں اسکا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ... " ... الاَرضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنفُسُهُمْ " (یعنی ان کیلئے زندگی سے تنگ آگئے) مگر انھوں نے اللہ و رسول اور دین اخلاص کا پورا پورا ثبوت دے دیا تو انکی سچی توبہ کی بنا پر انکی معافی امت کو قیامت تک کیلئے ایک بڑا سبق دے دیا گیا۔

اسی سفر تبوک کے زمانہ میں یہ بھی ہوا کہ جس طرح منافقین یہ سمجھتے تھے کہ یہ تبوک جانے والے مسلمان اب واپس نہ آسکیں گے اور رومی فوج ان سب کا وہیں خاتمہ کر دے گی اسی طرح عرب کے مختلف علاقوں کے وہ مشرکین جن سے رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کر لئے تھے انھوں نے بھی یہی سمجھا اور ایسی شرارتیں شروع کر دیں جو معاہدوں کے بالکل خلاف تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپس آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان معاہدوں کو فسخ کئے جانے کا اعلان فرمادیا اور ان سب کیلئے چار مہینے کی مہلت کا بھی اعلان فرمادیا گیا، اور جن قبیلوں اور علاقوں کے مشرکوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی انکے متعلق اعلان فرمادیا گیا کہ ان سے معاہدہ مقررہ میعاد تک قائم رہے گا لیکن آئندہ اس میں توسیع نہ ہوگی ——— اس سورۂ توبہ کے ۳-۴ رکوع قریباً ۳۰ آیتوں میں تمام مشرکین عرب کے سلسلہ میں اسی نئے فیصلے اور نئی پالیسی کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس حکم اور فیصلہ کا مقصد یہ تھا کہ عرب کا وہ خاص علاقہ جسکو دعوتِ توحید اور دین حق اسلام کا مرکز بنا تھا وہ شرک سے بالکل پاک صاف ہو جائے، بتوں سے اور بت پرستی سے کعبۃ اللہ کی تطہیر کی طرح یہ چیز رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے تھی، اور

اب اس کی تکمیل کا وقت آگیا تھا ـــــــ اسی سلسلہ میں یہ بھی حکم آیا کہ آئندہ مشرکوں کو اپنے مشرکانہ عقائد اور رسوم کے ساتھ حج میں شریک ہونے کی اور کعبہ کے طواف وغیرہ کی بلکہ مسجد حرام میں داخلہ کی بھی اجازت نہ ہوگی ـــــ یہ سب نہایت اہم احکام اور فیصلے تھے ـــــــ غزدہ تبوک سے واپسی کے بعد ۹ھ ہجری کے حج سے کچھ ہی پہلے سورۂ توبہ کا یہ ابتدائی حصہ نازل ہوا تھا ـــ رسول اللہ ﷺ نے طے فرمایا کہ ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) آپ کے خاص نمائندہ اور امیر حج کی حیثیت سے اس سال حج کریں اور آپ کی طرف سے اللہ اور رسولؐ کے اہم فیصلوں کا حج میں شریک ہونے والے تمام عربوں کے سامنے اعلان کریں ـــــــ صدیق اکبر کے روانہ ہو جانے کے بعد بعض تجربہ کار لوگوں نے حضور کو توجہ دلائی کہ عربوں کا پرانا دستور یہ ہے کہ کسی معاہدے کے فسخ کرنے کا اعلان یا تو صاحب معاہدہ خود کرے یا پھر اسکا کوئی قریبی عزیز اور رشتہ دار کرے۔ اس بات کے سامنے آنے کے بعد آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کو روانہ کیا جو آپ کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد تھے، چنانچہ صدیق اکبر نے یہ اعلان انھیں سے کرایا۔ تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ سورۂ برأت کی شروع کی قریباً تیس آیتوں کا تعلق انھیں اہم فیصلوں سے ہے۔

سورہ برأت کی ان آیتوں میں ایک طرح سے گویا تمام مشرکین عرب کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا تھا۔ قدرتی طور پر اس کے اثرات بہت سے مسلمانوں پر بھی پڑ سکتے تھے، کسی کے باپ یا بھائی ابھی شرک ہی کی حالت میں تھے، کسی کے دوسرے قریبی عزیز مشرک تھے، اب ان سب ہی کے خلاف اعلان جنگ ہو گیا تھا۔ اسکے علاوہ یہ بھی امکان تھا کہ اس نئی پالیسی کے اعلان کے بعد جنگوں کا ایسا سلسلہ چھڑ جائے جن سے کبھی فرصت نہ ملے اور سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے ـــــــ غالباً ان خیالات نے کچھ کچے مسلمانوں کے دلوں میں کچھ وسوسے پیدا کیے ہونگے۔ اور اگر اس وقت ایسے وسوسے پیدا نہ بھی ہوئے ہوں تو اس میں تو شبہ ہی نہیں کہ ایسے سخت حالات میں ایسے وسوسے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور قرآن مجید کو قیامت تک کے حالات اور امکانات کے [illegible] نازل ہونا تھا اسلئے اس سلسلے کی آیتوں کے آخر میں مسلمانوں کو مخاطب فرما کر یہ [illegible] آیتیں نازل کی گئی۔

"قل ان كان آباؤكم وابناؤكم واخوانكم وازواجكم وعشيرتكم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها احب اليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره، والله لا يهدى القوم الفاسقين ٥"

اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے دل کو ٹٹول لے اور جانچ لے اگر اس کا حال یہ ہے کہ اپنے ماں باپ، اپنی اولاد، اپنی چہیتی بیویوں اور دوسرے قریبی عزیزوں، رشتہ داروں سے یا اپنی کمائی ہوئی دولت اور اپنے چلتے ہوئے کاروبار سے یا اپنے مکانات اور جائداد سے اسکو ایسا تعلق ہے جو اللہ ورسول کے حکم کی تعمیل میں اور دین کے راستے میں قربانی دینے سے رکاوٹ بن سکتا ہے تو وہ اللہ کے ان بندوں میں سے نہیں ہیں جو اسکی رحمت اور عنایت کے مستحق ہوں بلکہ وہ "فاسقین" میں سے ہے۔ جس کو خدا کے عذاب کا انتظار کرنا چاہئے اور ایسے لوگ ہدایت کی نعمت سے محروم رہیں گے۔ اور پھر خداوندی رحمت اور جنت سے بھی محروم رہیں گے۔

میرے محترم بھائیو! اگر ہمارے دلوں میں کچھ بھی ایمانی رمق ہو تو یہ بڑی لرزا دینے والی آیت ہے، آج جہاد وجاں فروشی کا وہ میدان تو ہمارے سامنے نہیں
نازل ہونے کے وقت صحابہ کرام کے سامنے تھا، لیکن امتحان کے
ہیں، روزمرہ ایسے حالات اور معاملات سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے کہ
کے حکم پر چلیں اور دین کے مطالبہ اور تقاضے کو پورا کرنے کا فیہ
پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے یا ہماری بیویوں اور دوسرے گھر والوں کی نارا ن ہ
ذرا سوچیں کہ ایسے موقعوں پر ہمارا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟ ہم چھوٹے چھوٹے مقدموں میں جیت حاصل کرنے کے لئے اور بس اپنی ناک اونچی رکھنے کیلئے بے تکلف جھوٹی گواہیاں دے دیتے ہیں جو اشد حرام ہے۔ دین کے تقاضے ہمارے سامنے ہیں اور ہم سے اس کے لئے اپنا آرام بھی قربان نہیں کیا جاتا ہے۔ اس آیت کا کھلا فیصلہ یہ ہے کہ جن کا یہ حال ہو وہ اللہ کی نگاہ میں سخت مجرم ہیں اور اس کے مستحق ہیں کہ ان پر خداوندی عذاب کے کوڑے برسیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو جو آگاہی دی تھی وہ ہم آپ کو سب کو اور قیامت تک کے مسلمانوں کو دی گئی ہے ——— سورۂ توبہ کی یہ آیت ایک کسوٹی ہے جس سے ہر ایک اپنا ایمان جانچ سکتا ہے اور ایک آئینہ ہے جس میں ہم میں سے ہر ایک اپنی صورت دیکھ سکتا ہے۔

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ سورۂ برأت کی ابتدائی قریباً تیس آیتوں کا تعلق مشرکین عرب سے اور ان کے بارے میں نئے فیصلے اور نئی پالیسی سے ہے۔

اسکے بعد ان اہل کتاب کے خلاف بھی جنگ کا اعلان کیا گیا ہے اور ان سے جہاد کی دعوت دی گئی ہے جو اس وقت اسلام کو مٹا دینے اور نور حق کو گل کر دینے کے منصوبے بنا رہے تھے اور انھوں نے اپنے پیغمبروں کا لایا ہوا دین اور ان کی شریعت کو چھوڑ کے اپنے نفس کی اور شیطان کی پیروی اختیار کرلی تھی ـــــ اس موقع پر قرآن پاک میں ان کے ٹھیٹھ مشرکانہ عقائد کا بھی ذکر کیا ہے۔ فرمایا گیا ہے -

"اتحذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا الا لیعبدوا اللہ الھا واحداً لا الہ الا ھو سبحانہ عما یشرکون ہ"

یعنی انھوں نے اپنے احبار و رھبان کو یعنی عالموں اور درویشوں کو خدا کے علاوہ اپنا رب بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی خدا بنالیا ہے حالانکہ توریت وانجیل کے ذریعے انکو توحید کی تعلیم دی گئی تھی لیکن انھوں نے اس خداوندی تعلیم کو پس پشت ڈال کر یہ مشرکانہ طریقہ اختیار کرلیا ہے۔

پھر اس کے آگے کی آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ ان کے مذہبی پیشواؤں، پیروں اور پادریوں کی سیاہ باطنی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے .-

"یا ایھا الذین آمنوا ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیأکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ ہ"

یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کے یہ پیر پادری جو بظاہر بڑے مقدس اور مہاتما بنے ہوئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا حال یہ ہے کہ وہ ریاکار اور مکار ہیں اور حرام اور ناجائز طریقوں سے بس دنیا بٹورتے ہیں اور اپنے ماننے والے سیدھے سادے عوام کو لوٹتے ہیں اور اپنی جیبیں اور اپنے خزانے بھرتے ہیں۔ یہ بالکل دولت کے پجاری ہوگئی اور انھوں نے خدا کے بجائے مال و دولت کو اپنا مقصود و معبود بنالیا ہے۔

ان آیتوں کا اگرچہ براہ راست تعلق بگڑے ہوئے یہود و نصاری اور ان کے حرام خور اور ریاکار پیروں، پادریوں سے ہے، لیکن ہم مسلمانوں کے لئے اور خاص کر ہم جیسوں کے لئے جن کو لوگ مذہبی عالم اور دینی پیشوا سمجھتے ہیں ان آیتوں میں بڑا سبق اور بڑی آگاہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے "لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً بشبر و ذراعاً بذراع" جس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے لوگ وہ سب کچھ کریں گے جو پہلی امتوں، یہودیوں اور نصرانیوں نے کیا اور بالکل ان کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہاں تک کہ اگر پہلی امتوں کے

با
د
خا

بد بخت نے اپنی ماں کے ساتھ حرام کیا تھا تو میری امت میں بھی یہ ہو کر رہے گا۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد دراصل امت کو خبردار کرنا تھا کہ وہ اس خطرے سے اپنی حفاظت کرے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ سب سامنے آرہا ہے۔ امت میں اعمال واخلاق کی وہ ساری خرابیاں اور وہ سب اعتقادی گمراہیاں پیدا ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں جو یہود اور نصاریٰ میں تھیں ــــ وہ کون سا جرم اور گناہ ہے جو مسلمانوں میں نہیں ہے اور وہ کون سا فسق و فجور ہے جو دین و مذہب ہی کے نام پر بزرگان دین کے عرسوں میں نہیں ہو رہا ہے اور وہ کون سا شرک ہے جو ان کے مزاروں پر نہیں ہو رہا ہے۔ قبروں کو سجدے ہو رہے ہیں، مرادیں مانگی جا رہی ہیں، نذریں چڑھائی جا رہی ہیں، الغرض وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔

اور جس طرح انکے پیر پادری دین کے نام پر دنیا کماتے اور بیچارے ــ کے نمونے بھی اس امت کے پیروں اور مولویوں میں موجود ہیں بے لاگ ہے اسکی کسی سے رشتہ داری نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ والا شرک یا کوئی جرم کرے تو جہنم میں جائے اور مسلمان کہلا ــ جائے۔ وہاں کا قانون تو یہ ہے - ''فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره ومن شراً یره''۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ سورۂ توبہ کی ان آیات ''اتخذوا احبارهم ورهبانهم ارباباً من دون الله'' سے لیکر ''یا ایها الذین آمنوا ان کثیراً من الاحبار والرهبان'' الآیة کا تعلق اگرچہ براہ راست یہود و نصاریٰ سے ہے، لیکن ان میں ہم مسلمانوں کیلئے بھی بڑا سبق ہے۔

یہ آیتیں جن میں اہل کتاب کی گمراہیوں اور ان کے صریح مشرکانہ عقائد اور ان کی اسلام دشمنی اور نور اسلام کو مٹادینے کے منصوبوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے خلاف جہاد اور قتال کی تیاری کی مسلمانوں کو دعوت دی گئی ہے، یہ دراصل غزوۂ تبوک کی تمہید ہے جسکا میں ابھی تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ مختلف پہلوؤں سے اس غزوہ میں بڑے خطرات تھے اور بڑی سخت آزمائش تھی اسلئے منافقوں کے علاوہ بعض کچے دل کے اور کم ہمت مسلمان بھی اس سے کترانا چاہتے تھے تو آگے کی آیتیں نازل ہوئیں۔

''یا ایها الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض۔ الآیة''..........

میں ابھی آپ کے سامنے ان آیتوں کا ترجمہ کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد ہر مخلص مسلمان تیار ہو گیا ——— ہاں جن کے دلوں میں کسی درجے کا نفاق تھا انھوں نے حیلے بہانے کئے اور طرح طرح کے عذر پیش کئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے عذر قبول کر لئے، ان کی تعداد روایات میں اسی (۸۰) کے قریب بتائی گئی ہے ——— بعض منافق ساتھ بھی گئے لیکن اپنے منافقانہ ذہن اور منافقانہ کردار کو ساتھ لیکر گئے اور وہاں بھی شرارتیں اور ناپاک سازشیں کرتے رہے ——— اور انکے جو ساتھی مدینہ میں رہ گئے تھے ان کا چونکہ یہ خیال اور گمان تھا کہ رومی فوج اس پورے اسلامی لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دے گی اور اب یہ زندہ واپس نہ آئیں گے اس لئے اس زمانہ میں ان کی زبانوں پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسی باتیں بھی آئی جو ان کے ناپاک دلوں میں چھپی ہوئی تھیں لیکن کبھی زبان پر نہیں آتی تھیں اور ان میں سے بہت سوں کا نفاق بالکل عریاں ہو گیا۔

سورۂ توبہ کی شروع کی قریباً چالیس آیتوں کے بعد مسلسل قریباً پچاس ساٹھ آیتیں (پانچ چھ رکوع کے قریب) ایسی ہیں جن میں ان منافقین کے نفاق ہی کا بیان ہے۔ اور جس طرح اس سورت کی شروع کی آیتوں میں مشرکین عرب کے بارے میں ایک نئے فیصلے اور نئی پالیسی کا اعلان کیا گیا ہے اسی طرح بعد کی ان آیتوں میں منافقین کے متعلق وہ سخت رویہ اختیار کیا گیا جو اس سے پہلے کبھی اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ اور ان پر اور ان کے نفاق پر وہ ضربیں لگائیں اور ایسے کوڑے برسائے جنھوں نے نفاق کا گویا خاتمہ کر دیا اور اسلامی معاشرے میں منافقین کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

منافقین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے یہاں تک فرمادیا گیا "استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة لن يغفر الله لهم۔" یعنی یہ منافقین ایسے مردود ہیں کہ اے نبی اگر تم بھی ان کی بخشش کیلئے ہم سے دعا کرو اور ایک دو دفعہ نہیں ستر دفعہ دعا کرو تو ہم تمھاری دعا بھی ان کے بارہ میں نہیں سنیں گے اور ان کو نہیں بخشیں گے۔ اسکے بعد آپ کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ "ولا تصل على احد منهم مات ابداً ولا تقم على قبره" یعنی ان میں سے جب کوئی مر جائے تو اے نبی تم اس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھو اور اس کی قبر کے پاس بھی نہ کھڑے ہو ——— جیسا کہ میں نے عرض کیا منافقین کے بارے میں یہ نیا حکم تھا اور نئی پالیسی کا اعلان تھا۔ اسکا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ بہت سے منافقین کے دل بدل گئے اور انکو حقیقی ایمان نصیب ہو گیا قریباً پچاس ساٹھ آیتیں ساتویں رکوع سے بارہویں رکوع تک منافقین ہی سے متعلق ہیں، درمیان

میں کہیں کہیں بطور مقابلہ مومنین صالحین کے کردار کا بھی ذکر آگیا ہے ـــــــ اس کے بعد ان چند مخلص مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو صرف سستی اور لیت و لعل کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے اور خود ان کو اس کا بے انتہا رنج و غم تھا اور انھوں نے پوری سچائی کے ساتھ حضورؐ کے سامنے اپنے قصور کا اقرار کر لیا تھا اور بعضوں نے تو مسجد نبوی کے ستون سے اپنے کو باندھ دیا تھا اور طے کر لیا تھا کہ حضور ﷺ ہی معافی دے کر اپنے ہاتھ سے کھولیں گے تو کھلیں گے ورنہ اسی طرح بندھے بندھے مر جائیں گے، میں ان حضرات کے واقعات متعلقہ آیتوں کے درس میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں ـــــــ سورہ کے تیرہویں رکوع میں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے

"وآخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحاً وآخر سيئاً عسى الله ان يتوب عليهم ، ان الله غفور رحيم"

یعنی کچھ بندے وہ ہیں جنھوں نے دلی ندامت کے ساتھ کر کے خود اپنے کو پیش کر دیا ہے، ان کا حال یہ کہ انھوں نے اچھے عمل بھی ان سے سرزد ہوئے ہیں وہ امید کر سکتے ہیں کہ اللہ مہربانی اور ان کی توبہ قبول کر لے۔ اللہ غفور رحیم ہے۔

پھر دو تین آیتوں کے بعد فرمایا گیا ہے - "وآخرون مرجون لامر الله اما يعذبهم واما يتوب عليهم والله عليم حكيم" یعنی غزوۂ تبوک میں نہ جانے والے اہل ایمان میں سے کچھ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم کے انتظار میں ملتوی ہے وہ انھیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرما کر معاف فرمادے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر! ـــــــ قرآن مجید کا یہ انداز بیان کعب بن مالک اور ابو لبابہ انصاری جیسے صف اول کے مخلصین کے حق میں ہے جو ہمیشہ اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت اور دین کی خدمت اور اس کی راہ میں ہر قربانی کرتے رہے، ان میں سے کئی ایک بدری بھی تھے ـــــــ ان سے بس یہ غلطی ہوئی تھی کہ سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک سے پچھڑ گئے تھے، اسی پر اتنا سخت عتاب ہوا کہ کعب بن مالک اور ان کے دو اور ساتھیوں کا پچاس دن تک مکمل مقاطعہ رہا، کوئی مسلمان ان سے بات چیت نہیں کرتا تھا، ان کے سلام کا جواب تک نہیں دیتا تھا ـــــــ اس آیت میں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا معاملہ خدا کے حکم پر موقوف ہے، وہ احکم الحاکمین چاہے عذاب دے چاہے معاف فرمائے۔

ذرا غور کیجئے ان آیات میں کعب بن مالک اور ان کے ساتھیوں کا ایسے انداز میں ذکر کیا گیا ہے جیسے کہ وہ بڑے ہی مجرم تھے ــــــ ذرا ہم اپنے بارے میں سوچیں کہ اللہ و رسول کے احکام کی فرمانبرداری اور دین کے لئے جان و مال کی قربانی کے معاملے میں ہمارا حال کیا ہے اور ہمارا انجام کیا ہونے والا ہے۔

پھر اس سے اگلے رکوع میں بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ سچے مسلمان کا اللہ کے ساتھ کیا معاملہ اور دین کی راہ میں قربانی کے بارہ میں کیا رویہ ہونا چاہئے اور اس کی زندگی کا کیا رنگ ہونا چاہئے۔ سنئے فرمایا گیا -

"ان الله اشترى من المومنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة ، يقاتلون فى سبيل الله فيقتلون ويقتلون وعداً عليه حقاً فى التوراة والانجيل والقرآن ومن اوفى بعهده من الله فاستبشروا ببيعكم الذى بايعتم به وذالك هو الفوز العظيم"

مطلب یہ کہ جو سچے ایمان والے ہیں ان کی جانیں اور ان کے مال اللہ نے جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔ اب کسی سچے مسلمان کی جان و مال اسکی اپنی ملک نہیں ہے۔ بلکہ وہ اللہ کے ہاتھ بیچ چکا ہے۔ اب ان کا کام یہ ہے کہ جب ان کو راہ خدا میں جہاد اور جاں بازی کے لئے پکارا جائے وہ لبیک کہہ کے میدان میں آجائے، خدا کے اور اسکے دین حق کے دشمنوں کے مقابلہ میں جنگ کریں، ماریں اور مریں ــــــ اور اس طرح خدا کے ہاتھ بیچی ہوئی جان و مال اسکی راہ میں قربان کر دیں اور اسکے عوض جنت اور اس کی لازوال نعمتیں اور ابدی عیش و آرام حاصل کریں ــــ آگے فرمایا گیا ہے "وعداً عليه حقاً فى التورة والانجيل والقرآن" ــــ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ بالکل پکا ہے، کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ پہلے مقدس صحیفوں توراۃ و انجیل میں بھی اس کا اعلان ہو چکا ہے اور اب قرآن میں بھی اسکی ضمانت دی جا رہی ہے ــــ اور خدا سے زیادہ وعدہ کا سچا کون ہو سکتا ہے ــــ آگے فرمایا گیا ہے کہ مومنین کا اپنے اللہ کے ساتھ یہ ایسا نفع بخش سودا ہوا ہے جس پر انھیں جتنی بھی خوشی اور مسرت ہو برحق ہے، یہ ان کی بہت ہی بڑی فیروز مندی ہے۔ ذالك هو الفوز العظيم۔

ذرا غور کیجئے اللہ ہی کی دی ہوئی ایک فانی جان جو دیر سویر ختم ہونے ہی والی ہے اور مال و دولت جس کو یا خرچ ہونا ہے یا مر کر ترکہ میں چھوڑ دینا ہے اس کو اللہ کے حکم پر اسکی راہ میں قربان کر کے آخرت کی حیات ابدی اور جنت حاصل کر لینا کتنا نفع بخش سودا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدر دانی دیکھئے کہ وہ خود ہمارا خریدار اور طالب بنا ہے، یہ

نہیں فرمایا کہ مومنین نے اپنی جان اور مال کے عوض ہم سے جنت خرید لی ہے بلکہ یوں فرمایا کہ ہم نے جنت ان کے لئے لکھ دی ہے۔ اور اس کے بدلے ان کی جانیں اور انکے مال ہم نے خرید لئے ہیں، ہم انکے خریدار بنے ہیں ـــــ خرید و فروخت کے معاملے میں ہمیشہ خریدنے والا طالب ہوتا ہے۔ جو قیمت ادا کر کے مطلوب چیز کو خرید لیتا ہے۔ قیمت کی حیثیت تو خرید و فروخت کے ایک وسیلے کی ہوتی ہے۔

اسکے بعد والی آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان مومنین کی زندگی کا کیا ڈھنگ ہوتا ہے اور کیا ان کے اوصاف و احوال ہوتے ہیں ـــــ فرمایا گیا ہے -

"التائبون العابدون الحامدون السائحون الراكعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون لحدود الله وبشر المومنين"

یعنی یہ اپنی خطاؤں، قصوروں سے توبہ کرنے والے اور اللہ کے عبادت گذار بندے ہوتے ہیں ان کی زبانوں پر خدا کی حمد و تسبیح رہتی ہے، یہ خدا کی راہ میں
قریب کے علاقوں میں پھرتے ہیں ـــــ (جس دن ان آیتوں کا
کہ "اَلسائِحُوْنَ" کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں، میرے نزدیک اس کہ
راہ میں پھرنا مراد ہے۔ عبادت اور ذکر و تسبیح کی طرح خدا کی راہ میں پھ
کا خاص جز تھا، ہمارے اس دور میں تبلیغی جماعت کے مخلصوں کا پھرنا دیکھ کر یہ بات خوب سمجھ میں آتی ہے) ـــــ آگے فرمایا گیا ہے "الراكعون الساجدون" یعنی یہ لوگ ذوق و شوق سے نمازیں پڑھتے ہیں اور اس سے روحانی غذا حاصل کرتے ہیں۔ "الآمرون بالمعروف والناهون عن المنكر" یعنی ان ذاتی اعمال و اشغال کے علاوہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق یہ دوسرے بندگان خدا کی بھی فکر کرتے ہیں۔ اچھے کام کرنے اور نیکی کے راستے پر چلنے کے لئے کہتے ہیں اور برے کاموں سے ان کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ـــــ آخر میں فرمایا گیا ہے "والحافظون لحدود الله" یعنی اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کی محافظت اور پابندی کرتے ہیں، یعنی جن کاموں اور جن باتوں سے منع فرمادیا گیا ہے ان کی طرف قدم نہیں اٹھاتے

یہ ہے سچے ایمان والوں کی پوری تصویر! آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "وبشر المومنين o" یعنی اے پیغمبر ہمارے ان صاحب ایمان بندوں کو جو اپنا جان و مال اور سب کچھ ہمارے ہاتھ بیچ چکے اور جن کے یہ اوصاف و احوال ہیں ان کو ہماری رضا اور جنت کی خوشخبری دے دیجئے، ہماری طرف سے وہ ان کے لئے لکھی جا چکی ہے۔

ان دو آیتوں نے ہمارے سامنے سچے مسلمانوں کی ایسی مکمل تصویر رکھ دی ہے کہ اسکو سامنے رکھ کے ہم میں سے ہر ایک اپنی ایمانی حالت اور اسلامیت کو جانچ پرکھ سکتا ہے۔ اس میں جتنی کمی ہو سمجھنا چاہئے کہ اتنی ہی ایمان میں اور اسلامیت میں کمی ہے۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لاالہ را

پھر چند آیتوں کے بعد اسی سچی اسلامیت اور ایمان صادق کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

"یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین ہ"

یعنی اے مسلمانو! جنھوں نے اسلام کو بطور دین کے قبول کر لیا ہے اللہ سے ڈرو، اپنے اندر تقوی اللہ کی کیفیت پیدا کرو اور مومنین صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

سورۂ توبہ کے ان تمام مضامین کے بعد جن میں ہر قسم کے اور ہر درجہ کے نفاق اور دین کی راہ میں قربانی سے گریز، بلکہ معمولی کوتاہی اور سستی پر بھی سخت عتاب کیا گیا ہے اور انتہائی جلال کے کوڑے برسائے گئے ہیں تو ان مضامین کے بعد یہ آیت "یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین" بڑی معنویت رکھتی ہے۔ اس آیت کی جو دعوت و پکار صحابہؓ کرام کے لئے تھی وہ میرے اور آپ کے لئے بھی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی مخاطب کر کے فرما رہا ہے "یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین" ـــــ مجھے اور آپ کو دل سے اور عمل سے جواب دینا چاہئے کہ اے ہمارے اللہ ہم نے فیصلہ کر لیا، تو توفیق دے کہ تیرا تقویٰ اور صادقین کی معیت نصیب ہو جائے۔

اس کے بعد اب اس سورۃ کی ان آخری دو آیتوں پر آجایئے جو میں نے شروع میں تلاوت کی تھیں اور جن پر یہ سورۃ ختم ہوئی ہے۔

آپ حضرات نے اس پوری سورت کے درس سے خود بھی محسوس کیا ہوگا اور میں بھی برابر عرض کرتا رہا ہوں کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے جلال کا بڑا ظہور ہوا ہے ـــــ مشرکین، یہود و نصاریٰ، منافقین اور وہ مسلمان جن کے ایمانوں مین کچھ ضعف تھا اور وہ صحابہ کرام جن سے دین کے بارہ میں کچھ بھی سستی اور کمزوری ظاہر ہوئی تھی ان سے کے خلاف اس سورت میں بڑا سخت رویہ اختیار کیا گیا ہے اور سب ہی کو جھنجھوڑا گیا ہے، اسی لئے حضرت حذیفہ اس سورت کو "سورت العذاب" کہا کرتے تھے ـــــ لیکن اس کا خاتمہ ایسی آیت پر کیا گیا ہے جو رحمت سے بھرپور ہے ـــــ ارشاد ہوا ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم
بالمؤمنین رؤف رحیم ہ

مطلب یہ ہے کہ خدا نے تم سب طبقوں پر یہ رحمت فرمائی ہے کہ ایسا رسول تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے جو خود تمہیں میں سے ہے، تم اس کو جانچ پرکھ سکتے ہو اور وہ تمہارا ایسا غمخوار و غمگسار ہے کہ تمہاری تکلیف و مشقت اس پر بھاری اور شاق ہے، اس کو تمہاری فوز و فلاح کی بڑی حرص اور فکر و لگن ہے اور خاص کر ایمان والوں کے لئے وہ بڑا ہی شفیق و ہمدرد ہے اور اس کا قلب رافت و رحمت سے معمور ہے۔ تو اے سب لوگو! تمہیں اللہ کی اس نعمت اور رحمت کی قدر کرنی چاہئے اور آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرنا چاہئے۔ اور اس کے رؤف و رحیم پیغمبر کی رافت و رحمت سے فائدہ اٹھانا چاہئے! خاص کر ایمان والوں کو چاہئے کہ اس کی ہدایات پر چل کر اور اس کا اتباع کر کے اللہ کی رضا اور رحمت اور جنت حاصل کریں۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے -

"فان تولوا فقل حسبی الله لا اله الا هو، علیه توکلت وهو
یعنی اگر یہ لوگ رحمت کی اس پکار کو بھی نہ سنیں اور اے پیغمبر
تم ان سے کہدو کہ مجھے تم سے کچھ لینا نہیں، میرا اللہ مجھے کافی ہے، وہی اور صرف
ہے، میرا اسی پر اعتماد و بھروسہ ہے، اور وہ "رب العرش العظیم" ہے ــــ اس آیت پر یہ سورت ختم ہے۔

یہ سورۂ توبہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں رسول اللہ ﷺ کے آخری دور حیات میں نازل ہوئی ہے اور اس کے مضامین کی نوعیت ایسی ہے کہ گویا یہ الوداعی پیغام اور وصیت نامہ ہے، غالباً اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی تاکید فرماتے تھے کہ ہر مسلمان اس کا علم حاصل کرے تاکہ اس سے اس کو برابر ہدایت اور روشنی ملتی رہے ــــ میں نے بھی آج اسی لئے اس کے اہم مضامین کو دہرا دینا مناسب سمجھا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب حضرات کو اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں اس کی بالکل آخری آیت کے متعلق ایک حدیث اور سن لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن ابی داؤد میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح و شام سات سات دفعہ یہ کلمہ پڑھ لیا کرے "حسبی الله لا اله الا هو علیه توکلت وهو رب العرش العظیم" تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مشکلات و مہمات حل ہوتی رہیں گی اور اللہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

سبحانك اللهم وبحمدك نشهد ان لا اله الا انت نستغفرك
ونتوب الیك، وصلی الله علی نبیه الکریم وعلیٰ آله واصحابه اجمعین ہ